ڈاکٹر رُشد اللہ (مخمور بخاری)

سندھی کلاسیکل شاعری میں انسان شناسی کا پیغام

Abstract:

Idea of Humanity and peaceful Co-existence in classical poetry of Sindhi

In Sindhi Classical poetry, concepts of Love for Human amelioration and hate for religious and racial discrimination have been widely used. Sachal Sarmast (1739-1827) to awaken the masses has especially spoken for welfare, moral values, patriotism, tolerance, eradication of religious discrimination and peaceful coexistence keeping in view the political situation of his age. Other poets of that period such as Nanak Yousif, Faqeer Qadir Bukhsh Bedal, Daryah Khan Kandre waro, and Faqeer Khush Khair Mohammad Hisbani have also used same notions of human prosperity, peaceful coexistence and eradication of sectarianism in their poetry. All of them have emphasized about the high place of Human in the Universe in their poetical compositions. With the help of poetry, they have exhorted their fellow beings for establishing a peaceful, just, tolerant and free from all ills society.

In actual fact, this universal message of above mentioned poets could facilitate us to come out from quagmire of inequality, intolerance, hate, envy, terrorism, bigotry, sectarianism and religious and racial discrimination. Therefore, it is the need of hour to spread this message on large scale, so that we could be able to use our innate qualities without influence of widespread anarchy and ailing society and create a healthy and moral society free from all socio-political ills, which have now enveloped our society.

کائنات رب العالمین کی ایسی تخلیق ہے جس سے باہر نکلا ہی نہیں جا سکتا جو دکھائی دیتا ہے وہ سب اِسی میں ہے اور جو دکھائی نہیں دیتا وہ بھی اسی میں موجود ہے۔ ظاہر باطن، حاضر، ناظر، جاندار، بے جان، زمین، آسمان، پہاڑ، دریا، سمندر، ستارے، کہکشائیں، چاند، سورج، نامعلوم انگنت اتنا کچھ جس کی کھوج انسان صدیوں سے لگاتا آرہا ہے اور لگاتا جارہا ہے، اسی کائنات کے اندر انسان، جن، پرند، جانور، کیڑے، مکوڑے، بھانت بھانت کی مخلوق اپنے حیات کی تگ و دو میں مبتلا ہیں۔ خدا تعالیٰ اپنی

آخری الہامی کتاب "قرآن پاک" میں "اے جن و انسانو" کہہ کر مخاطب ہوا ہے جن، انسان سے پہلے پیدا کیے گئے جو آگ کی پیدائش ہے اور انسان کو ان کے بعد مٹی سے بنایا گیا، مٹی جو آگ کو بجھانے کی طاقت بھی رکھتی ہے اور اپنے اندر سے بہت کچھ اُگانے کی بھی!

خدا تعالیٰ نے ایک مٹی کا پتلا بنایا اور اپنے سارے فرشتوں کو ان کے سامنے جھکنے کا حکم دیا اور جب اُس مٹی کے پتلے میں خود سے روح پھونکی تو وہ اٹھ بیٹھا اور اس کو اپنے (خدا پاک کے) سامنے جھکنے (سجدے) کا حکم دیا۔

مَلڪن تي سجدا ڪيا، واه مٽي تنهنجو ملهه. (۱)

(سچل)

(مٹی! کیا تیری قسمت! ملائک نے تجھے سجدہ کیا)

یہ مرتبہ کائنات میں انسان کے ہی حصے میں آیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے (۲):

اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَةَ عَلَي السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَالۡجِبَالِ فَاَبَيۡنَ اَنۡ يَّحۡمِلۡنَهَا وَاَشۡفَقۡنَ مِنۡهَا وَحَمَلَهَا الۡاِنۡسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوۡمًا جَهُوۡلًا ۙ (سورت الاحزاب آیت نمبر 72)

ترجمہ: بیشک ہم نے (اِطاعت کی) امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی تو انہوں نے اس (بوجھ) کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اسے اٹھالیا، بیشک وہ (اپنی جان پر) بڑی زیادتی کرنے والا (ادائیگیٔ امانت میں کوتاہی کے انجام سے) بڑا بے خبر و نادان ہے۔

لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِيۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِيۡمٍ ۫ (سورت التین آیت نمبر 4)

ترجمہ: بیشک ہم نے انسان کو بہترین اعتدال اور توازن والی ساخت میں پیدا فرمایا ہے۔

الَّذِيۡ عَلَّمَ بِالۡقَلَمِ ۙ (سورت العلق آیت نمبر 4)

ترجمہ: جس نے قلم کے ذریعے (لکھنے پڑھنے کا) علم سکھایا۔

اللہ رب العالمین نے انسان کو حسین و خوبصورت بنا کر پیدا کیا اور اُسے امامت کا شرف بھی بخشا اور خود پڑھنا بھی سکھایا یعنی کائنات کے اندر جو حُسن ہے وہ انسان کے روپ میں ڈھالا گیا اور اسے شعور عطا کر کے کائنات کے رازوں کو سمجھنے کی جستجو کا عمل اس کے اندر سمایا گیا تبھی تو کائنات کی تمام

مخلوقات میں انسان کو اشرف و اعلیٰ ہونے کا اعزاز دیا گیا یہ وہ اعلیٰ مقام ہے جو انسان کو کائنات کے اندر عطا ہوا۔ سچل سائیںؒ (1739- 1827) کہتے ہیں(٣):

چھوڑ گمان گدائی والا، شملا چا بدھ شاہی دا،

آدم کا جنت میں رہنا اور اک دانا کھانے کی سزا میں زمین پر اتارنے والا عمل اس حیاتِ جاوداں کو جاری رکھنے کا اک بہانا تھا۔ انسان کو اک طرف رضا میں راضی رہنے کا حکم دیا گیا تو دوسری طرف اور آگے، اور آگے جیسا عنصر بھی شاملِ حال رہا۔ سندھ کے صوفی شاعر حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ (1102ھ-1690 / 1165ء- 1752) کہتے ہیں(۴):

مون کي مون پرين، ٻڌي وڌو تار ۾،
ايا ائين چون، ته مچڻ پاند پُسائين.

(میرے پریتم نے مجھے باندھ کر پانی میں پھینک دیا، اور اوپر سے کہنی لگے کہ اپنا دامن مت بھگونا۔)

سو، انسان کائنات کے اندر ایک ہاتھ میں آگ اور ایک ہاتھ میں پانی لیکر زندہ رہتا ہے۔ اب اسے اس طرح جینا ہے کہ آگ ہاتھ پے بھی رہے اور اسے جلائے بھی نہ اور اسی طرح پانی ہاتھ میں بھی رہے اور بہہ بھی نہ جائے مگر یہ ممکن ہے؟ اگر ہاں تو آدم کو نہ وہ دانہ کھانا تھا جس کی سزا میں زمین پہ اتارا گیا اور نہ ہی ہابیل کو قابیل کے ہاتھوں اپنی جان دینی پڑتی۔ آگ اور پانی ساتھ ساتھ رہ کر بھی اپنی اصلیت کو ختم نھیں ہونے دیتے حقیقت میں یہی زندگی کا اصل فلسفہ ہے۔

سندھ، برصغیر کا اک عظیم خطہ ہے جو ہزاروں سالوں کی تاریخ میں اپنی جعغرافیائی حیثیت، علمی، روحانی، ثقافتی، زرعی، معدنی وسائل میں سرسبز اور مالامال ہونے کی وجہ سے ہمعصر ریاستوں کے نشانے پہ رہا۔ یہ صورتحال کل سے لیکر آج تک قائم ہے، سندھ اپنے قدرتی نعمتوں کی سبب باہر سے آنے والے حملہ آوروں کے زد میں رہتے ہوئے تاریخ کا ایک سنگین اذیتناک اور حساس سفر طے کر رہی ہے حکمران کسی بھی طرح عوامی سطح پہ نہیں آنا چاہتے اگر ہم سنہ 1700 سے لیکے سنہ 1857 (جنگِ آزادی) تک کا سندھ کی سیاسی تاریخ کا مطالعہ کریں تو اس ڈیڑھ سو سال کے عرصے میں تین

بادشاہتوں کا دور رہا سنہ 1700 سے لیکے 1782 تک کلھوڑا دور، سنہ 1782 سے لیکے 1843 تک ٹالپور دور اور اس کے بعد فرنگی دور۔ کلھوڑا مقامی حکمران ہونے کے باوجود کبھی دہلی سلطنت تو کبھی ایران کبھی قندھار کو خراج ادا کرتے آئے۔ ٹالپور بلوچ ہونے کے باوجود سیاسی سوجھ بوجھ سے دور نظر آتے ہیں۔ اپنی ذاتی رنجشوں اور نااتفاقیوں کی بنیاد پہ سندھ ملک کو تین ریاستوں میں تقسیم کر کے الگ الگ حکمران بن کر افغانستان سرکار کو خراج ادا کرنے لگے۔ کلھوڑا دور میں سنہ 1718 میں پہلے سوشلسٹ صوفی شاہ عنایت جھوک والے کو دہلی سلطنت کے کہنے پہ ٹھٹہ کے مغل گورنروں نے میاں یار محمد کلھوڑو کی مدد سے اپنے ساتھیوں سمیت ناحق قتل کر دیا(۵) یہ واقعہ سندھ کی سیاسی تاریخ میں بلاولی تحریک کے قائد مخدوم بلاول (2 رجب 930ھ / 6 مئی 1523ء) کی شہادت(٦) کے بعد کئی حوالوں سے اہم تصور کیا جاتا ہے۔ سنہ 1733 میں میاں نور محمد کلھوڑو کے دور میں سندھ کے ایک علمی و روحانی ہستی مخدوم عبدالرحمٰن کھڑو کو کھڑا شریف (موجودہ ضلع خیرپور) میں اپنے 313 ساتھیوں سمیت مسجد شریف میں شہید کیا گیا۔(٧) سنہ 1740 میں ایران کے سفاک اور ظالم حکمران نادر شاہ "افشار" کا سندھ پر حملہ(٨) اور میاں نور محمد کی غلط سیاسی حکمت عملی کی وجہ سے تخت گاہ خدا آباد (ضلع دادو) سے فرار ہو کر امرکوٹ (عمرکوٹ) کے قلعے میں جا کے چھپ کر بیٹھنا اور نادر شاہ کو اک حوالے سے پوری سندھ تاراج کرنے کے لئے دے دینا اور کچھ ہی وقت کے اندر میاں کا ایرانی حکمران کے سامنے ہتھیار ڈالنے جیسی کمزور اور بزدلانہ حرکت کی وجہ سے سندھ کے عوام کو اذیت کا سامنا کرنا پڑا۔

سنہ 1753 میاں نور محمد کلھوڑو کی وفات سے لے کے 1759 تک میاں کے فرزندان میاں مرادیاب، میاں عبدالنبی، میاں عبدالغنی اور میاں غلام شاہ کے درمیان تخت کی حاصلات پر خانہ جنگی (۹)، سنہ 1759 میں ٹھٹہ کے نامور عالم مخدوم ہاشم ٹھٹوی کے نام میاں غلام شاہ کی طرف سے ہندوؤں کو زبردستی مسلمان بنانے کا پروانہ جاری کیا گیا۔(١٠) سنہ 1772 میں میاں سرفراز خان کلھوڑو کی غیر سیاسی حکمت عملی کی وجہ سے اپنے ہی فوج کے سپہ سالاروں کے قتل جیسے واقعات رونما ہونا شروع ہو گئے اور اسی حالت میں ہی 1783 میں کلھوڑا حکومت کا زوال ہوا(١١) اور میاں سرفراز کے متاثر ٹالپور امیروں نے سندھ پے حکمرانی کا نیا جھنڈا لہرایا۔ دس سال کے اندر سنہ 1792 میں ٹالپور حکمران سیاسی

نابالغی کا ثبوت دیتے ہوئے سندھ کو تین ریاستوں میں تقسیم کیا جس میں کراچی سے لیکر ٹنڈو الہیار اور کھیر تھر جبل تک (جس میں تھر کا سرحدی علاقہ بھی شامل تھا) میر فتح علی کے پاس رہا جس کا دار الحکومت حیدرآباد بنا۔ انہیں ’شہدادانی سرکار‘ کہا گیا۔ شاہ بندر سے لیکر چھوڑ تک اور جنوب میں کچھ کے بیابان میدانوں سے لیکر شمال میں مورو تک کی سندھ میر ٹھارو خان ’ستارہ جنگ بہادر‘ کے حوالے کی گئی جس کا دار الحکومت پہلے ’ونگی‘ اور بعد میں سنہ 1806 میں میرپور خاص کو مقرر کیا گیا۔ انہیں ’مانکانی سرکار‘ کہا گیا۔ تھر اور مورو سے لیکر اوباڑو اور روجھان اور سہون تک کی سندھ میر سہراب کے حوالے کی گئی جس کا پہلا تخت گاہ احمد آباد (کوٹ ڈیجی) اور بعد میں خیرپور کو مقرر کیا گیا۔ انہیں ’ "سہرابانی سرکار‘ کہا گیا۔(۱۲)

اسی کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے انگریزوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو دوبارہ سندھ میں داخل کرنے کی کوشش کی اور اس طرح 18 جولاءِ 1808، 22 اگسٹ 1809 اور 9 نومبر 1816 پہ خیرپور اور حیدرآباد کے ٹالپور امیروں سے علیحدہ علیحدہ عہدنامے کیئے، ہر عہدنامے میں انگریزوں نے خود کو حکمرانوں کا دوست بتلاتے ہوئے سندھ سے واپار اور اس کے نتیجے میں سندھ کی خوشحالی کے خواب دکھائے اگر سیاسی تجزیہ کیا جائے تو یہ تینوں عہدنامے سندھ کی خوشحالی کے بجائے سندھ کی سالمیت اور جغرافیائی وحدت پر ایک وار تھا جس کو اس وقت کے حکمران نہ سمجھ سکے مگر درازاں ضلع خیرپور میں بیٹھے ہوئے ایک مفکر صوفی شاعر حضرت حافظ عبدالوہاب فاروقی المعروف سچل سرمستؒ نے کہا(۱۳) :

پني ۾ پيغام، ڪي لکي مکا سڄڻين،
سي نہ سمجهن عام، جي آهن منجھ اشارتا

(میرے دوست نے کاغذ پر پیغام لکھ کر بھیجا ہے، ان کے اشاروں کو عام نہیں سمجھتے)

ڪِي جو لکيائون، پني منجھ پريت جي،
اُهي پسي آئون، بيخود ٿيڙس سرتيون.

(میرے دوست نے بڑے پیار سے جو کچھ لکھا ہے، اس کو سمجھ کر میں تڑپ اٹھی ہوں)

جو نامن منجھ لکيو، سا هئي ڄيري جي ڄر،
منجهان سپ شهر، واڇيندڙ کو ليي.

(جو خط میں نے لکھا ہے وہ ایک ایسی آگ ہے جو ساری بستی کو جلا کر راکھ کر دیگی، اور ہم اپنے نشاں ڈھونڈتے رہیں گے)

اور اس سے آگے وہ کھلم کھلا یہ کہتے ہیں:

سچ تا مرد چون، ڪنهن کي وٽي نہ وٽي،
ڪوڙي دوستيءَ جو دم، ٻٽي نہ ٻٽي.

(حق کے راہی ہمیشہ سچ کہتے رہیں گے کہ مکر و فریب کے بنیاد پے یہ دوستی کبھی قائم نہ رہ سکے گی)

سچل سائیں کے ایک خاص طالب اور صوفی شاعر فقیر نانک یوسف (1208ھ / 1792ع- 9 جمادالاول 1269ھ / 1853ء) نے بھی اپنے ایک سندھی بیت میں کچھ اس طرح کا خیال پیش کیا ہے(۱۴):

فوجان فرنگين سنديون، گم ٿينديون منجھ غار،
جي پڻ پاس انهن جي، سي خارج ٿيندا خوار.

(فرنگیوں کی یہ فوجیں ایک دن گم ہو جائیں گی اور جو ان کے ساتھ کھڑے ہیں وہ ذلیل و خوار ہونگے)

اسی طرح سنہ 1843 میں سندھ پر انگریزوں کا قبضہ سندھ کی اک نئی سیاسی تاریخ کا آغاز ہے۔ سنہ 1857 میں وطن کے نام پہ جنگِ آزادی لڑی گئی جس کے بعد آزادی کی جنگ کو مذہب، فرقے، زبان، رنگ، نسل میں تقسیم کیا گیا انگریزوں کی یہ تعلیم ’تقسیم کرو اور حکومت کرو‘ Divide and rule) کی پالیسی ایک ایسی سیاسی چالبازی تھی، جس کے نتائج ہم آج تک اس خطے کے اندر لسانی و نسلی و مذہبی بنیاد پہ بھگتتے آ رہے ہیں ان طویل سیاسی چالبازیوں کے نتیجے میں ہم آج مسجد، مندر، کلیسا، امام بارگاہ، اسکول، کالیج، یونیورسٹی، بازاروں، سڑکوں اور اپنے گھروں میں بھی محفوظ نہیں رہے۔

اس طویل سیاسی منظرنامے کو مختصراً پیش کرنے کا مقصد اس بات کو سمجھنا ہے کہ حکمران اور عوام کا تعلق کبھی بھی مضبوط نہیں رہا ہمیشہ دونوں کے بیچ ایک فاصلہ رہا ہے اور یہ فاصلہ طاقتور نے ہی قائم رکھا ہے۔ سنہ 1700 سے لے کے 1850 تک، اگر سندھی کلاسیکل شاعری کو دیکھا جائے تو

اس کے اندر انسان شناسی، امن و محبت کا پیغام بڑی حد تک ملتا ہے جس کا سبب شاید اس دور کے سیاسی واقعات تھے اس خطے کے صوفی شعراءُ نے تصوف کو عوام کی بہبود اور ذہنی آسودگی کے لئے استعمال کیا یہی سبب ہے کہ میوں شاہ عنایت سے لے کے حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ، سچل سرمست سے لے کر فقیر نانک یوسف تک شاعری، رقص و موسیقی عام رہے اور یہ بھی ایک اہم بات ہے کہ اسی دور میں وائی یا کافی جیسی اصناف بڑی حد تک عام مقبول عام رہی ہے، جس کے مطالعے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بقول 'حفیظ خان' کے: 'کافی وادی سندھ کی شعوری تاریخ ہے۔' سندھی کلاسیکل شاعری کا فن بھی اپنے دور کے حالات کا آئینہ دار ہے تو دوسری طرف فکری اعتبار سے اس دور کی شاعری خداشناسی و انسان شناسی، انسان شناسی و خداشناسی کا اعلیٰ درس دیتی ہے۔ سچل سائیں اپنے ایک سندھی بیت میں کائنات کے اندر انسان کو اپنے مقرر کردہ رتبے / مرتبے کو پہچاننے اور قائم رکھنے کا سبق یاد دلاتے ہین، کیونکہ ایسے سیاسی حالات کے اندر عوام کو ذہنی طور پہ مفلوج بنا کر ذہنی غلامی میں مبتلا کیا جا رہا تھا اور یہ تمام شعرا کرام اپنی شاعری کے ذریعے ایک باوقار انسانی حیات پہ مشتمل ایک ایسا سماج جوڑنے کی کوشش کر رہے تھے جس کے اندر رہتے ہوئے انسان اپنی نظروں میں کائنات میں مقرر کردہ اپنے رتبے کی بناء پر اعلیٰ، ارفع اور محترم ہونا چاہیے۔ سچل سائیںؒ نے کہا تھا(۱۵):

جي تو ڄاتو پاڻ، آئون ٻيو ڪي آهيان
ڪندئي غرق گمان، ڳهلا انهيءَ ڳالهه ۾

(اگر تم نے اپنے رتبے کو نہیں پہچانا تو یہ نادانی تمہیں ڈبو دے گی)

کنڈڑی ضلع سکھر کے قریب ایک چھوٹی سی بستی ہے مگر شعوری اعتبار سے گوناگون صفات کی مالک ہے، وہاں کی مٹی میں ابدی آرامی حضرت روحل فقیرؒ (1733-1804ء) فرماتے ہیں(۱۶):

پڙهيا بيد ڪتيب جا، تا ڏين ڏورانهان ڏس
سي سچ سڃاڻن ڪين ڪي،مويا پسي مس
رات ڏينهان روحل چوي، رڙهي تنهن ڪي رس
پير پريان جو پس، نائي ڪنڌ قلوب ۾

(وید پڑھ کر سارے عالم کو اپنے علم سے آگاہ کرتے پھرتے ہیں وہ سیاہی (تحریر) کو دیکھ کر

بھی سچ کو نہین پہچانتے۔ روحل! رات ہو یا دن اس طرف چل اور اپنے محبوب کے قدموں کے نشاں اپنے اندر تلاش کر)

اسی دور کے ایک اہم صوفی شاعر حضرت قادر بخش بیدلؒ (1231ھ / 1815ء- 16 ذوالقعد 1289ھ / 15 جنوري 1873ء) فرماتے ہیں(۱۷):

پاڻ نہ کڻج پاڻ سان، پاڻ سڃاڻج پاڻ
آ ساجن توهي ساڻ، تون ڳولهين ٻي طرف ڏي

(اپنے ساتھ بوجھ نہ اٹھا، خود کو پہچان، تیرا ساجن تیرے ساتھ ہے، اس کو کہیں اور نہ تلاش کر)

حضرت خوش خیر محمد ہیسبانی (1224ھ / 1809ء-1294ھ / 1877ء) بھی انسانی عظمت کے قائل ہیں ان کے خیال مطابق رب کو جاننا اتنا مشکل نہیں جتنا انسان کو خود کو جاننا۔ اپنی کھوج ان کے نزدیک رب کی کھوج سے کئی مرتبہ مشکل ہے۔ فرماتے ہیں(۱۸):

رب سڃاڻڻ سهنجو ٿئي
پاڻ سڃاڻڻ اهنجو ٿئي
خوش خير محمد خيال وحدت وارو
جاڏي ڪاڏي نينهن نظارو
سارو طلسم تنهنجو ٿئي

(رب کو جاننا آسان ہے، مشکل ہے خود کو پہچاننا! اے خوش خیر محمد! وحدت کا خیال رکھ تو ہر طرف محبت کا نظارا دیکھو گے، یہ سارا طلسم تم سے ہے۔)

وہ خود کو جاننے کے لئے ایک راستہ بھی بتاتے ہیں جو اندر سے شروع ہو کے باہر تک آتا ہے اور واپس اندر تک جاتا ہے، ان چند لفظوں میں وہ ایک اہم بنیادی بات کرتے ہوئے فرماتے ہیں(۱۹):

آئينو اندر جو سدا رک صفا
روشني ٿئي روح کي جانب ساڻ صفا
خير محمد نفعا ڪوڙين ملنئي قيمتي

(اندر کو سدا صاف رکھ، روح کو اپنے محبوب کی روشنی سے ملا تو پھر دیکھ خیر محمد! لاکھوں کروڑوں قیمتی فائدے تیرے حصے میں آئیں گے)

دلبر وسدا دلیاں دے کول
پرے نہیں ہے پن اول

ایک ایسے صحت مند معاشرے کی تشکیل کے لئے وہ ناحق سے لڑنے کی تلقین بھی کرتے ہیں۔ سچل سرمست کہتے ہیں(۲۰):

توڙ رواج ۽ رسمون ساريون، مرد ٿئي مردانو

(ان سارے فرسودہ رسم ورواج کو توڑ کر اپنی جواں مردی کا ثبوت دے)

هڪ جوءِ، ٻي جَوءِ ڇڏن ڪين جوان،
اهي ٻه انسان، جي نگن تان نثار ٿيا

(باغیرت کبھی دھرتی اور اپنی بیوی کو نہیں چھوڑتے یہ وہ انسان ہیں جو ان کے لئے جان بھی دے دیتے ہیں)

مار نغارا انا الحق دا، سولی سر چڑھ ھیجی(۲۱)

اسی بناء پر وہ وحدتِ انسانی کے قائل تھے۔ شکارپور سے تعلق رکھنے والے ویدانتی کوی سامی (1743-1850ء) اسی بنیاد پہ کہتے ہیں(۲۲):

ويد، قرآن ڪو، سيني ۾ هڪ سوت،
سمجهي ڏس "سامي" چئي، لائي من مضبوط،
جيئن آڪاس گهٽڻ ۾، تيئن سپ ۾ ساکيءَ پوت،
ڪو آتم رت اڏوت، سمجهي هن سخن ڪي.

(وید اور قرآن میں ایک ہی نکتہ (وحدت) ہے اگر تم اس کو سمجھ پاؤ تو خود کو مضبوط بنالو گے جیسے۔ انسان کائنات کے اندر ہے اسی طرح بالکل کائنات انسان کے اندر بھی ہے۔ بس اس بات کو ہی سمجھنا ہے۔)

سچل سائیں کہتے ہیں(۲۳):

رام رحيم هڪو هڪ سمجهين، موج محبت ماڻين،
ڪافر مومن گبر نغارو، غير گمان نہ آڻين،
"خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلٰى صُوْرَتِهٗ"، ٻول اهو ئي ڄاڻين،
مان تون صورت ساڳي سچا، جي تون پاڻ پڇاڻين

(اگر رام اور رحیم کو ایک ہی سمجھو گے تو محبت کی معراج پاؤ گے، مومن، کافر، گبر (آتش پرست) اور نصرانی کو غیر نہ سمجھ کیونکہ خدا نے انسان کو اپنے عین پہ پیدا کیا ہے۔ بس! اتنا یاد رکھ۔)

حضرت خوش خیر محمد ہیسبانیؒ بھی مذہبی رواداری کے قائل تھے ان کے نزدیک رحیم اور رام حسن و جمال کی علامت ہیں جو ازلی و ابدی ہے جو حقیقت میں محبت ہی ہے۔ وہ ان علامتوں کی معرفت امن، محبت، مساوات اور اتحادِ انسانی کی بات کرتے ہیں فرماتے ہیں(۲۴):

عشق جنیا جس پایا ہے، اس واہ اسلام جگایا ہے
واہ اسلام جگایا ہے، مرجی رام ریجھایا ہے
کہاں ہے گنگا کہاں ہے جمنا، کہاں رے کاشی جایا ہے
تجھ میں تکیا، تجھ میں تیرتھ آپ میں آپ سمایا ہے

محبت ۾ رهہ محو مدام،
ٻولي ٻولج هڪ وحدت وائي

(سدا محبت میں گم رہو اور وحدت کا کلمہ پڑھتے رہو)

کنڈڑی کے صوفی شاعر حضرت روحل فقیرؒ کے فرزند اور سندھی، سرائکی اور ہندی کے صوفی شاعر فقیر دریا خان (1179ھ / 1765ء-1270ھ / 1853ء) اپنے ایک ہندی دوہے میں کہتے ہیں(۲۵):

پریم پریمی کہیں نہیں، جے کرے پریم دھیان
"دریا خان" جس گھر پریم بسے، اس گھر بسے بھگوان۔

سندھ کے صوفی شعرا نے مذہب کے ان ٹھیکیداروں کی بھی نفی کی ہے جنھوں نے مذہب کی تشریح کرتے ہوئے تفرقہ بازی کو ہوا دی اور وقت کے حکمرانوں کے پیروں تلے اپنی علمیت کو خاک میں مسلتے ہوئے عوام اور ریاست کو حقیقی معنٰی میں نقصان پہنچایا۔ سچل سائیں کہتے ہیں(٢٦):

مذهبن ملڪ ۾، ماڻهو منجهايا
شيخي، پيري، بزرگي ،بيحد ڀلايا
ڪي نمازون نوڙي پڙهن، ڪن مندر وسايا
اوڏو ڪين آيا، عقل وارا عشق کي

(مذہبوں کے فرقوں، شیخوں، پیروں اور بزرگی کے دعویداروں نے لوگوں کو مسئلوں میں مبتلا کر رکھا ہے، ان میں سے کچھ لوگوں نے نمازوں پہ زور دیا اور کچھ نے مندر آباد کیے ہیں، مگر ان عاقلوں میں سے کوئی بھی عشق کی طرف نہیں آیا۔)

حضرت خوش خیر محمد کشف کرامت کے قائل نہیں وہ منبر پہ کھڑے ہو کے واعظ نہیں کرتے، ان کے نزدیک علم وہ ہے جو عمل کی صورت محسوس کیا جائے، جس کی بنیاد ہر حال میں محبت ہی ہے۔ فرماتے ہیں(٢٧):

جیویں کرامت کشف اکھیندے
عاشق ایویں نہیں لکھیندے
کان مشائخ کڈھن ڈھاکے
کوڑے خاص بناون خاکے
پرت بنا سب کوڑے پہاکے
پوک برھ دی نہیں پکھیندے

اسی راہ پہ چلتے ہوئے فقیر قادر بخش بیدلؒ فرماتے ہیں(٢٨):

مذہب داسٹ کوڑا جھگڑا، وحدت دی گھن راھ
منصوری مشرب وچ تھیویں، کل قصا کوتاھ

اپنی سر حقیقت دی رکھ ، عاقل توں آگاھ

روحل فقیر کے عزیز صوفی شاعر مراد فقیر (1743- 1796ء) کہتے ہیں(٢٩):

ڪنز قدوري ڪافيا، توڙي پڙهين نحو صرف
توهه ملن ڪان مراد چئي، ايندئي ڪين الف
جنهن ڪي هادي ڏنو حرف، تنهن ڪي علم سڀ عيان ٿيو

(تو بھلے کنز، قدوری، کافیا، نحو و صرف پڑھ مگر الف کی حقیقت نہیں جان سکتا، جس کو ہادی نے اک ہی حرف دیا اس پر سب علم عیاں ہوگئے)

ان صوفی شعراءُ کے نزدیک انسان شناسی بنیادی طور پہ اخوت واتحاد، مساوات، محبت، بھائی چارے کی بنیاد ہے وہ زبان، نسل، رنگ، فرقے، اور مذہب کی بناء پہ انسان کو انسان سے علیحدہ تصور نہیں کرتے کیونکہ ان کے نزدیک رب العالمین اور رحمت اللعالمین کا تصور موجود ہے۔ یہ صوفی شعرا اپنے دور کے سیاسی مفکر بھی ہیں جنھوں نے اپنے دور کی کشیدہ سیاسی حالات کی مدِ نظر اتحادِ انسانی کا درس دیتے ہوئے آئیندہ نسلوں کے لئے برابری، محبت و امن کی راہیں متعین کی ہیں(٣٠):

سوئی کم کریجی ، جنھن وچ اللہ آپ بٹیجی
مار نغارا اناالحق دا، سولی سر چڑھیجی
اندر باھر ہکو ہوون، "موتو قبل" مریجی
"سبحانی ما اعظم شانی"، سچل سر سٹیجی

حوالاجات

1. انصاری عثمان علی، 'رسالہ سچل سرمست' (سندھی کلام)، سندھی ادبی بورڈ، جامشورو، 2012ء، ص:102۔
2. www.irfan-ul-quran.com
3. رائے پوری، محمد صادق، مولانا، 'رسالہ سچل سرمست' (سرائکی کلام)، سندھی ادبی بورڈ، جامشورو، 2012ء، ص:366۔

4. شیخ بانھوں خان، شاہ جو رسالو (جلد دوم)، شاہ عبد اللطیف بھٹائی چیئر، کراچی یونیورسٹی، 2002ء، ص:354۔
5. لاکھو غلام محمد، 'کلھوڑا دورِ حکومت' ، انجمن اتحادیہ عباسیہ پاکستان کراچی، 2004ء، ص:102۔
6. جی ایم سید، 'سندھ کے سورمے' (حصہ اول)، نئیں سندھ پبلیکیشن کراچی، اکتوبر 1974ء، ص:41۔
7. مہر، غلام رسول، مولانا، 'تاریخ سندھ – کلھوڑا دور' (جلد اول)، سندھی ادبی بورڈ جامشورو، 1963ء، ص:361-362۔
8. ایضاً، ص:4-3-382۔
9. ایضاً، ص: مختلف صفحات۔
10. قادری، عبد الرسول' ڈاکٹر، 'مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی' (سوانح و علمی خدمات)، سندھی ادبی بورڈ جامشورو، 2006ء، ص:88-89۔
11. مہر، غلام رسول، مولانا، 'تاریخ سندھ – کلھوڑا دور' (جلد اول)، سندھی ادبی بورڈ جامشورو، 1963ء، مختلف صفحات۔
12. مولائی شیدائی، رحیم داد خان، 'جنت السندھ'، سندھی ادبی بورڈ جامشورو، 1985ء، ص:591-592۔
13. انصاری، عثمان علی، 'رسالہ سچل سرمست' (سندھی کلام)، سندھی ادبی بورڈ، جامشورو، 2012ء، ص:422۔
14. عباسی، تنویر، 'نانک یوسف کا کلام'، سندھی ادبی بورڈ جامشورو، 2014ء، ص:65۔
15. انصاری عثمان علی، 'رسالہ سچل سرمست' (سندھی کلام)، سندھی ادبی بورڈ، جامشورو، 2012ء، ص:94۔
16. بدوی، لطف اللہ، 'کنڈڑی والوں کا کلام'، سندھی ادبی بورڈ جامشورو، 1983ء، ص:62۔
17. درگاہی، اختر، 'بیدل سائیں جو رسالو'، بیدل یادگار کامیٹی روہڑی، 2011ء، ص:175۔
18. عباسی، تنویر، 'خوش خیر محمد ھیسبانی کا کلام'، سندھی ادبی بورڈ جامشورو، 1982ء، ص:49۔
19. ایضاً، ص:131-46۔
20. انصاری عثمان علی، 'رسالہ سچل سرمست' (سندھی کلام)، سندھی ادبی بورڈ، جامشورو، 2012ء، ص:370۔
21. رائے پوری، محمد صادق، مولانا، 'رسالہ سچل سرمست' (سرائکی کلام)، سندھی ادبی بورڈ، جامشورو، 2012ء، ص:364۔

---

22. ناگرانی، بی ایچ، پروفیسر، 'سامی کے سلوک' (جلد اول)، سندھی ادیبوں کی سہکاری سنگت حیدرآباد، 1992ء، ص:332۔
23. صوفی، غلام نبی، آغا، 'سچل سرمست'، محکمہ ثقافت و سیاحت، حکومت سندھ، کراچی، 2015ء، ص:215۔
24. عباسی، تنویر، 'خوش خیر محمد ھیسبانی کا کلام'، سندھی ادبی بورڈ جامشورو، 1982ء، ص:164۔
25. ہمایونی، نیاز، 'آءُ کانگا کر گالھ'، سندھی ادبی بورڈ جامشورو، 1992ء، ص:129۔
26. انصاری عثمان علی، 'رسالہ سچل سرمست' (سندھی کلام)، سندھی ادبی بورڈ، جامشورو، 2012ء، ص:278۔
27. عباسی، تنویر، 'خوش خیر محمد ھیسبانی کا کلام'، سندھی ادبی بورڈ جامشورو، 1982ء، ص:163۔
28. درگاہی، اختر، 'بیدل سائیں جو رسالو'، بیدل یادگار کامیٹی روہڑی، 2011ء، ص:330۔
29. بدوی، لطف اللہ، 'کنڈڑی والوں کا کلام'، سندھی ادبی بورڈ جامشورو، 1983ء، ص:107۔
30. رائے پوری، محمد صادق، مولانا، 'رسالہ سچل سرمست' (سرائکی کلام)، سندھی ادبی بورڈ، جامشورو، 2012ء، ص:364۔